اسوۂ حسینیؓ کا علم بردار کون؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلام علیٰ عبادہٖ الذین اصطفیٰ

محرم الحرام اسلامی سال کا پہلا اور ذوالحجہ اُس کا آخری مہینہ ہے۔ واقعۂ ہجرت کو سامنے رکھتے ہوئے اسلامی تقویم (کیلنڈر) کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شروع فرمایا، جن کا یومِ شہادت یکم محرم الحرام ہے۔ دس محرم الحرام کو نواسۂ رسول، جگر گوشۂ بتول سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یومِ شہادت ہے۔ اسلامی سال کے آخری مہینہ ذوالحجہ کی اٹھارہ تاریخ کو آپ ﷺ کے دوہرے داماد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا دن ہے۔ گویا اسلامی تاریخ کی ابتداء بھی شہادتوں سے مزین ہے اور انتہاء بھی شہادت سے آراستہ ہے۔

غلبۂ دین، کلمۂ حق، اعلائے کلمۃ اللہ، اسلامی سرحدوں اور مسلمانوں کی حفاظت کے لیے جدوجہد و کوشش کرنا اور اپنی توانائیاں صرف کرنا ''جہاد'' کہلاتا ہے اور اس راہ میں جو کوئی جان کی بازی لگادے تو اس شخص کو قرآن وسنت کی اصطلاح میں ''شہید'' اور اس کے اس عمل کو ''شہادت'' جیسے خوبصورت عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

کسی کو شہادت کا اعزاز مل جانا اس کے لیے عظیم انعامِ الٰہی ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دینے والوں کو مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں جس کا تمہیں شعور نہیں''۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ''بلکہ وہ زندہ ہیں، انہیں اپنے رب کے ہاں سے رزق ملتا ہے''۔

حضور اکرم ﷺ نے خود شہادت کی تمنا فرمائی۔ شہادت کے فضائل اور انعامات کو مختلف انداز اور مختلف الفاظ سے بیان فرمایا۔ ہر صحابیِ رسول اس کی تمنا اور آرزو کیا کرتا تھا، اسی لیے بدر، اُحد، خندق، حنین جیسے غزوات میں صحابہ کرامؓ نے دادِ شجاعت پائی، بہادری کے جوہر دکھائے اور کئی

ایک نے تمغۂ شہادت حاصل کیا۔ اس لیے نواسۂ رسول، جگر گوشۂ بتول سیدنا حضرت حسینؓ نے بھی اپنے پیش رو اکابر صحابہ کرامؓ کی راہ پر چلتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔

دوسری طرف یہود و نصاریٰ، کفار و مشرکین اور دین دشمنوں کے ظلم و ستم، جبر و تشدد اور سفاکیت و بہیمیت سے اَٹی ہوئی تاریخ ہے، جنہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام، ان کے متبعین اور عدل و انصاف کا پرچار کرنے والوں کو ہر دور میں قتل اور شہید کیا۔ قرآن کریم اس کی شہادت ان الفاظ میں دیتا ہے:

''إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَأْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ''۔ (آل عمران:۲۱)

ترجمہ: ''جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کے حکموں کا اور قتل کرتے ہیں پیغمبروں کو ناحق اور قتل کرتے ہیں ان کو جو حکم کرتے ہیں انصاف کرنے کا لوگوں میں سے، سو خوشخبری سنا دے ان کو عذابِ دردناک کی''۔ (ترجمۂ شیخ الہندؒ)

مشرکین مکہ اور یہود نے حضور اکرم ﷺ کو کئی بار شہید کرنے کی منصوبہ بندی کی، آپ ﷺ کو زہر دیا گیا، آپ ﷺ پر دیوار گرانے کی کوشش کی گئی، ظلم و جبر کا کونسا حربہ اور طریقہ تھا جو آپ ﷺ کے خلاف روا نہیں رکھا گیا۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مختصر ترین دور جہاد اور اسلام کے غلبہ کا دور شمار ہوتا ہے۔ ان کے سنہرے دورِ خلافت میں جہاد کی برکت سے کلمۂ اسلام کی سربلندی اور باطل کی بیخ کنی ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عدل و انصاف اور رعب و دبدبہ کی بدولت ان کے پورے دورِ خلافت میں منافقین اور دشمنانِ دین اپنی سازشوں میں مکمل طور پر ناکام رہے، تا آنکہ ابولؤلؤ مجوسی کے ذریعہ حضور اکرم ﷺ کے سسر، آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے والد گرامی سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔ پھر آپ ﷺ کے دوہرے داماد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ کے چچازاد بھائی اور داماد، حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا۔ اس کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بڑے صاحبزادے اور آپ ﷺ کے نواسہ سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دے کر شہید کیا گیا۔ اس کے بعد سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔

ان تمام شہادتوں کے پس منظر میں اگر غور و فکر اور عقل و تدبر سے کام لیا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ ان شہادتوں سے مقصود صرف اور صرف یہ تھا کہ جس جس فرد یا شخصیت کا نسبی یا روحانی تعلق آپ ﷺ کے ساتھ ہے، ہر دور میں ان کو راستے سے ہٹانے کی ناپاک اور مذموم کوششیں کی گئیں۔

اسلام کی سوا چودہ سو سالہ تاریخ گواہ ہے کہ جس نے بھی حضور اکرم ﷺ کے لائے

ہوئے دین کے ساتھ اپنا تعلق گہرا اور مضبوط کیا، اس کی تعلیم وتعلم اور نشر واشاعت میں اپنا بھرپور کردار ادا کرنے کی کوشش کی، اُسے نہ صرف یہ کہ قید و بند، صعوبتوں اور مشکلات کی بھٹیوں میں ڈالا گیا، بلکہ ان کے وجود کو بھی صفحۂ ہستی سے مٹانے کی ناپاک جسارتیں کی گئیں۔ کس کس کا نام لیا جائے؟ اور کس کس کا نام چھوڑا جائے؟؟۔

اسلامی تاریخ کے اس تابناک پس منظر کے تناظر میں یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ دس محرم الحرام ۱۴۳۵ھ بروز جمعہ راولپنڈی راجہ بازار میں قائم مسجد ومدرسہ تعلیم القرآن پر ماتمی جلوس میں شریک شرپسند عناصر نے نمازِ جمعہ میں مصروف نمازیوں اور مدرسہ کے طلبہ پر ہلہ بول دیا۔ عینی شاہدین اور زخمیوں کے بیانات کے مطابق یہ حملہ آور کئی گھنٹے تک دارالعلوم تعلیم القرآن اور مسجد کو اپنے گھیرے میں لیے کانچ کی بوتلوں، لوہے کے راڈوں، خنجروں اور کلاشنکوفوں سے نمازیوں اور مدرسہ کے طلبہ کرام کو بے دردی اور درندگی سے شہید اور ذبح کرتے رہے۔ زندہ انسانوں کو آگ میں ڈالا گیا، آہنی راڈوں سے ان پر حملہ کیا گیا۔ درجنوں طلبہ کرام ابھی تک لاپتہ ہیں۔ حملہ آوروں نے صرف اسی پر بس نہیں کی، بلکہ مسجد، مدرسہ اور اس سے ملحق مارکیٹ کو بھی آتش گیر مادہ سے بھسم کردیا، جس کی آگ دوسرے روز تک جلتی رہی اور تاجروں کے بقول اس مارکیٹ کے جلنے سے ان کا تقریباً دس ارب روپے کا نقصان ہوا ہے۔ مسجد، مدرسہ اور مارکیٹ مکمل طور پر تباہ ہوگئی ہے، جسے بلڈوز کرکے نئے سرے سے تعمیر کرنا پڑے گا۔

دوسری طرف پولیس خاموش تماشائی کا کردار ادا کرتی رہی اور انہوں نے ان بے رحم قاتلوں اور سفاک درندوں کے ہاتھ روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی اور اخبارات کی اطلاعات کے مطابق ڈیڑھ درجن کے قریب پولیس والے ان قاتلوں کے ساتھ شریکِ جرم رہے۔ کمشنر، ڈپٹی کمشنر اور کئی ایس پی حضرات اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کی بجائے اپنی نااہلی کا ثبوت دیتے رہے۔ پولیس کی نااہلی کے علاوہ یہاں کئی اور سوالات بھی تشنۂ تحقیق وتفتیش ہیں:

۱:..... راولپنڈی راجہ بازار کے باشندوں اور عینی شاہدین کے مطابق ہمیشہ یہ جلوس شام چار بجے کے قریب اس جگہ پہنچتا تھا۔ اس دفعہ یہ جلوس پونے دو بجے یہاں کیسے پہنچ گیا؟

۲:..... اس جلوس میں جو شرپسند عناصر آئے تھے، اس جلوس میں انہیں کون لایا؟

۳:..... اس کم وقت، بند مارکیٹ میں ان کے پاس یہ آتش گیر مادہ، اسلحہ، خنجر اور کانچ کی بوتلیں کہاں سے آئیں؟

۴:..... پولیس والوں نے اپنا اسلحہ ان شرپسند عناصر کو کیوں دیا؟

۵:..... بعض اطلاعات کے مطابق ان شرپسندوں کی ایک ٹولی نماز سے پہلے بھی کوئی کیمیکل

نما چیز پوری مسجد، مدرسہ اور مارکیٹ میں چھڑک کر گئی تھی اور اس حملہ کے بعد انہوں نے اس کو آگ لگائی ہے، جس سے چھتوں اور پلروں کا سریا بھی پگھل کر ٹیڑھا ہو گیا ہے۔

۶:..... مدرسہ اور مسجد میں داخلہ کے لیے غیر معروف راستوں کا پتہ انہیں کس نے بتایا؟

۷:..... اس جلوس کی نگرانی اور حفاظت پر مامور انتظامیہ نے انہیں روکنے کی کارروائی اور کوشش کیوں نہیں کی؟

اس طرح کے کئی اور سوالات ہیں، جن کا جواب دینا انتظامیہ اور حکومت کے ذمہ ہے۔ جب تک وہ عوام کو تسلی بخش جواب نہیں دے گی، اس وقت تک وہ اس واقعہ سے بری الذمہ نہیں ہو سکتی۔

بجائے اس کے کہ حکومت اور انتظامیہ ان مجرمین کو موقع پر گرفتار کرتی اور ان کے خلاف دہشت گردی کے مقدمات بنائے جاتے، اُلٹا پنجاب کے وزیر اعلیٰ میاں شہباز شریف علمائے کرام کو تلقین کر رہے ہیں کہ آپ اس واقعہ کے خلاف سراپا احتجاج بننے والوں کو روکیں، پاکستان کو کوئی نقصان پہنچا تو تاریخ علمائے کرام کو کبھی معاف نہیں کرے گی۔ وزیر اعلیٰ پنجاب یہ بیان آخر کس ترنگ میں دے رہے ہیں؟ اور وہ کیا چاہتے ہیں؟ اس لیے کہ لاشے بھی مسلمان نمازیوں اور طلبائے کرام کے گرائے جا رہے ہیں اور دھمکیاں اور حالات کی ذمہ داری بھی علمائے کرام پر ڈالی جا رہی ہے، کیوں؟ حکومت، انتظامیہ اور سرکاری اہلکار کس مرض کی دوا ہیں؟ اور ان کا مصرف کیا ہے؟ عوام کا مطالبہ ہے کہ اس دن جن پولیس افسران کی ڈیوٹی لگائی گئی تھی اور انہوں نے اپنی نااہلی کا ثبوت دیا، ان کو نوکریوں سے برخاست کر کے ان کے خلاف دہشت گردی کے مقدمات قائم کر کے انہیں عبرتناک سزا دی جائے۔

ہر پاکستانی وزیر اعلیٰ پنجاب سے یہ پوچھنے کا حق رکھتا ہے کہ جناب! علماء کرام نے تو ہر دور میں امن وامان قائم رکھنے کی کوشش کی ہے، لیکن صاحبانِ اقتدار اور اربابِ حکومت اپنی کارکردگی اور غیر جانب دارانہ تحقیقات کے نتائج قوم کو کب دیں گے؟

محسوس یوں ہوتا ہے کہ مسجد، مدرسہ اور اس سے ملحقہ مارکیٹ کو جلانے کی منصوبہ بندی اور پلاننگ پہلے سے بنالی گئی تھی اور اس دن صرف اُسے عملی جامہ پہنایا گیا۔ حکومت بتائے کہ جس دن امریکہ کے ٹاور جلتے ہیں تو یہودی تمام کے تمام چھٹی پر چلے جاتے ہیں، بعینہ اسی انداز میں دارالعلوم تعلیم القرآن، مسجد اور مارکیٹ کو آگ لگائی جاتی ہے تو انتظامیہ کا ذمہ دار کوئی مری کی ہواؤں سے لطف اندوز ہو رہا ہے تو کوئی اسلام آباد میں آرام کر رہا ہے۔ موقع پر موجود اہلکار نہ صرف یہ کہ ان شرپسندوں کو روک نہیں رہے، بلکہ برابر ان مجرمین کا ساتھ بھی دے رہے ہیں تو ایسا کیوں؟

.....

افسوس یہ ہے کہ پاکستان جو اسلام کے نام پر وجود میں آیا، یہاں ۶۶ سالوں سے اسلام تو نہ آسکا، لیکن اسلام کے نام پر الحاد، زندقہ، تفرقہ، کشت وخون، قتل وقتال، فتنہ وفساد، بے دینی، بے اعتمادی، تشدد اور عدمِ برداشت کا کلچر خوب پروان چڑھا۔

ان چیزوں کو پروان چڑھانے میں جہاں مغربی استعمار، مغرب کی غلام حکومتیں، ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کے فلسفہ پر ایمان رکھنے والے بااختیار حکمران اور صاحبانِ اقتدار شریک جرم ہیں، وہاں بیرونی ایجنڈے پر کام کرنے والی جماعتیں اور ان کے لیڈر، دین اور اہل دین کو بدنام کرنے والے بعض صحافی، ٹی وی اینکر، پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا بھی برابر کا شریک ہے۔ اس لیے کہ لسانیت، قومیت، عصبیت، صوبائیت، فرقہ پرستی، مخصوص امتیازات، مخصوص نعرے اور مخصوص رسموں کو ہوا دینے میں ان سب کا حصہ ہے۔

آج نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ نہ قرآن کریم محفوظ ہے اور نہ ہی حضور اکرم ﷺ کی احادیث مبارکہ، نہ کوئی مسجد محفوظ ہے۔ اور نہ ہی کوئی مدرسہ، کوئی خانقاہ محفوظ ہے اور نہ ہی کوئی عبادت گاہ، نہ کوئی بازار محفوظ ہے اور نہ ہی کوئی گھر، حتیٰ کہ خانۂ خدا میں عبادت میں مصروف بارگاہِ رب العزت میں سربسجود لوگوں پر پٹرول اور کیمیکل چھڑک کر آگ لگادی گئی اور ان پر گولیاں برسائی گئیں۔ ان حالات میں ایک عام مسلمان اور پاکستانی شہری' پاکستان، اہل پاکستان اور اس تفرقہ اور فتنہ وفساد کے بارے میں کیا سوچتا ہے اور اس کی روک تھام اور تدارک کے لیے کیا کہتا ہے؟ یہ سب کچھ جاننے کے لیے جنگ کراچی کے برقی مراسلات کے تحت ''شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات'' کے عنوان سے جناب اشرف علی عزمی کا مراسلہ ہے، جو بہت سے مسلمانوں کے دل کی ترجمانی کرتا ہے، اُسے بعینہ یہاں نقل کیا جاتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

> ''پاکستان مذہب کے نام پر حاصل کیا گیا اور یہاں پر مذہب سے زیادہ مظلوم شے اور کوئی نہیں۔ ہر کسی کا اپنا ایک اسلام ہے، ہر شخص خود کو ہی حق پر سمجھتا ہے اور اپنے نظریات کو زبردستی دوسروں پر مسلط کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ حکمت وتدبر، فتنہ شناسی، دور اندیشی، عدمِ تشدد وعدم برداشت ہمارے معاشرے سے منہ چھپائے کب کے رخصت ہوچکے۔ مندرجہ بالا گھمبیر مسائل کے حل کے لیے لاؤڈ اسپیکر پر پابندی پر سختی سے عملدرآمد کروایا جائے۔ میڈیا پر مخصوص رسومات کو کوریج دینے کی بجائے دین اسلام کی بنیادی ومتفقہ تعلیمات کو نشر کیا جائے۔ اعتدال پسند علمائے کرام کو آگے لایا جائے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کسی بھی مذہبی

وسیاسی جماعت یا فرقے کو کھلے عام سڑکوں پر آنے کی اجازت نہ دی جائے۔
عبادات وجلسے جلوسوں کو مخصوص جگہوں تک محدود رکھا جائے''۔

(روزنامہ جنگ کراچی، بروز ہفتہ، ۱۸؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ، ۲۳؍نومبر ۲۰۱۳ء)

پاکستان میں کسی بھی نام پر اور کسی بھی عنوان سے نکلنے والے جلوس اب فتنہ وفساد کا سبب بنتے جارہے ہیں، حالانکہ قرآن وسنت اور اسلام کی تعلیمات میں ان جلوسوں کی کوئی حقیقت نہیں، اس لیے اکثر وبیشتر اسلامی ممالک میں بھی اس کا کوئی وجود نہیں، حتیٰ کہ خود ایران میں بھی محرم الحرام اور واقعۂ کربلا کی یاد میں کوئی جلوس نہیں نکلتا، بلکہ ایک بار اس وقت کے ایران کے صدر کا بیان اخبارات میں شائع ہوا، جس میں کہا گیا کہ:

''علم اور تعزیہ غیر اسلامی ہے، عاشورہ کی مروجہ رسوم غلط ہیں۔ایران کے صدر خامنہ ای کی تنقید''۔تہران (خصوصی رپورٹ) ایران کے صدر خامنہ ای نے کہا ہے کہ یوم عاشورہ پر امام حسینؓ کی یاد تازہ کرنے کے مروجہ طریقے یکسر غلط اور غیر اسلامی ہیں۔اسلام آباد کے انگریزی اخبار ''مسلم'' کی رپورٹ کے مطابق ایرانی سربراہِ مملکت نے نماز جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے مزید کہا کہ یہ طریقہ نمود ونمائش پر مبنی اور اسلامی اصولوں کے منافی ہے۔فضول خرچی اور اسراف ہمیں امام حسینؓ کے راستے سے دور کردیتا ہے۔انہوں نے علَم اور تعزیہ کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ خواہ یہ محراب وگنبد کی شکل میں ہی کیوں نہ ہوں، یاد تازہ کرنے کی اسلامی شکل نہیں۔ان نمائشی چیزوں پر رقم خرچ کرنا حرام ہے اور عاشورہ کی روح کے منافی ہے، کیونکہ یوم عاشورہ تفریح کا دن نہیں ہے۔امام خمینی کے فتویٰ کا حوالہ دیتے ہوئے صدر خامنہ ای نے کہا کہ مذہبی تقریبات کے دوران لاؤڈ اسپیکر کو بہت اونچی آواز میں استعمال نہیں کرنا چاہئے اور عزاداری کے مقام پر بھی پڑوسیوں کو کوئی تکلیف نہیں پہنچانا چاہیے۔لوگوں کو ماتم کرنے پر مجبور نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی اس رسم کو لوگوں کے لیے تکلیف دہ ہونا چاہیے''۔

(روزنامہ جنگ کراچی، بروز پیر ۱۹؍محرم الحرام ۱۴۰۵ھ، ۱۵؍اکتوبر ۱۹۸۴ء)

جلوس کے منتظمین، اس کے ذمہ داران اور اس رسم کو نبھانے والوں سے بھی یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ آپ ہی بتائیں اس واقعہ میں اسوۂ حسینیؓ کے علم بردار کون تھے اور یزید وابن زیاد کا کردار کس نے ادا کیا؟ عیسائی یا یہودی قرآن کریم جلائے، اس کی بے حرمتی کرے تو ہم بجا طور پر سراپا احتجاج بن جاتے

ہیں، لیکن اس راولپنڈی واقعہ کے بارہ میں جس میں قرآن کریم جلائے گئے، احادیث رسول اللہ ﷺ کی کتب جلائی گئیں، مسجد جل کر راکھ کا ڈھیر بن گئی، اگر کوئی سکھ، ہندو، یہودی یا عیسائی سوال کرلے کہ اسلام کا دم بھرنے والوں نے اپنے ہاتھوں یہ سب کچھ کیسے کرلیا؟ تو آپ کے پاس کیا جواب ہوگا؟

پھر افسوس تو اس پر ہے کہ اس جلوس میں شریک کئی شیعہ راہنما موجود تھے، لیکن کسی نے بھی ان شرپسند عناصر اور مجرموں کے اس اقدام کو روکنے کی کوشش کی اور نہ ہی اس کے بعد ان کے اس فعل کی کھلے ذہن اور کھلے الفاظ میں کوئی مذمت کی، حالانکہ سنی علمائے کرام اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے ہر موقع پر ان کے ساتھ اظہار یکجہتی اور ان پر ہونے والے ظلم کے خلاف آوازِ حق بلند کی ہے۔

اس کے ساتھ میڈیا بھی کئی دن تک مجرمانہ خاموشی کا مرتکب رہا، جس کی بنا پر افواہوں کا بازار گرم رہا، کئی اور شہروں میں بھی حالات کشیدہ ہوگئے اور حالات کو قابو میں لانے کے لیے فوج کو طلب کرنا پڑا۔ ان حالات میں چاہیے تھا کہ حکومتی ارکان اور انتظامیہ کے ذمہ دار افراد میڈیا پر آتے اور قوم کو صحیح حالات سے آگاہ کرتے، لیکن محسوس یوں ہوتا ہے کہ جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا گیا۔

میڈیا سے منسلک کئی صحافی حضرات یہ لکھ رہے ہیں کہ میڈیا نے اچھا کیا جو اس واقعہ کو کوریج نہیں دی، ورنہ پورے ملک میں آگ لگ جاتی، لیکن دوسری طرف کئی باشعور اور دوراندیش حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ پالیسی ہمیشہ اسی طرح اور اسی انداز میں سب کے ساتھ یکساں رہے تب تو ٹھیک ہے، ورنہ یہ محض مفروضہ اور جانبداری کی واضح دلیل ہے۔ ایک مخصوص فرقے کی پشت پناہی اور ان کو عوامی ردِعمل سے بچانے کے علاوہ اس کی کوئی اور توجیہ نہیں ہوسکتی۔

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے رئیس، نائب رئیس، انتظامیہ اور ''ادارہ بینات'' اس واقعہ کی بھرپور مذمت کرتا ہے۔ دارالعلوم تعلیم القرآن کے ذمہ داران اور اس سانحہ سے متأثر ہونے والے تمام تاجر حضرات کے اس دکھ، درد، رنج وغم اور نقصان کو اپنا دکھ، درد، رنج وغم اور نقصان سمجھتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان شہدائے کرام کے درجات کو بلند کرے اور آئندہ ہم سب کو ایسے سانحات سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

حکومت پاکستان اور خصوصاً پنجاب حکومت سے سب مسلمانوں کا یہ مطالبہ ہے کہ اس واقعہ کی صاف وشفاف طریقے سے تحقیقات کرائی جائیں، اس سانحہ کے مجرموں اور ان کی پشت پناہی کرنے والوں کو منظرعام پر لاکر سخت سے سخت سزا دی جائے، تاکہ دوسروں کے لیے وہ عبرت کا نمونہ بنیں۔ اسی طرح تاجر برادری، مسجد اور مدرسہ کے نقصانات کا جلد از جلد ازالہ کیا جائے۔

.....

شیخ الحدیث حضرت مولانا سائیں عبدالغفور قاسمیؒ

۲۰؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۵؍نومبر ۲۰۱۳ء محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہٗ کے شاگر دِ رشید، جامعہ دار الفیوض القاسمیہ سجاول ٹھٹھہ کے مہتمم وشیخ الحدیث جمعیت علماء اسلام صوبہ سندھ کے سرپرست، عالمی مجلس تحفظِ ختم نبوت سندھ کے سرپرست ومرکزی راہنما حضرت مولانا عبدالغفور قاسمیؒ اس دنیائے فانی کی تہتر بہاریں گزارنے کے بعد سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔ إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون، إن للّٰہ ماأخذ ولہٗ ما أعطٰی وکل شیء عندہٗ بأجل مسمّٰی۔

یہ دنیا فانی ہے، یہاں جو بھی آیا ہے وہ اگلی منزل پر روانہ ہونے کے لیے ہی آیا ہے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا کوئی مسلمان انکار نہیں کرسکتا، بلکہ دین سماوی کے تمام پیروکار اس حقیقت پر متفق نظر آتے ہیں۔ یہاں امیر بھی آئے، غریب بھی، صاحب اقتدار بھی آئے اور نان جویں کو ترسنے والے بھی۔ ہر ایک اپنی صلاحیت، استعداد اور ذوق ومزاج کے مطابق زندگی گزار کر اس دنیا سے کوچ کر گیا۔

کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کا بچپن سے موت کی آغوش تک ایک ایک لمحہ دین اسلام کی سربلندی، اس کی نشر واشاعت اور اس پر عمل کرنے میں گزر جاتا ہے اور یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہی ہے، اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں اُسے علم کے اعزاز سے نوازتے ہیں اور ساری زندگی علمی مصروفیات میں ہی مشغول رکھتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

’’لایزال اللّٰہ یغرس فی ہٰذا الدین غرسًا یستعملہم فی طاعتہٖ‘‘۔ (ابن ماجہ، ص:۳)

ترجمہ: ’’اللہ تعالیٰ اس دین میں پودے لگاتے رہتے ہیں، جنہیں اپنی طاعت اور بندگی میں استعمال فرماتے ہیں۔‘‘

حضرت مولانا عبدالغفور قاسمیؒ بھی اُنہیں منتخب بندوں میں شامل ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے لیے چنا تھا۔

حضرت مولانا موصوفؒ نے پوری زندگی درس وتدریس، تبلیغ ودعوت اور صوبہ بھر میں دینی، سماجی وسیاسی خدمات میں مصروف رہ کر گزاری ہے۔ علمی اعتبار سے بلندیوں کو چھونے والا آدمی جب عوامی جلسہ یا اجتماع میں اپنی قوم سے مخاطب ہوتا تھا تو یوں لگتا تھا کہ پورا جلسہ اور مجمع آپؒ کی مٹھی میں ہے، چاہے تو ایک لمحہ میں سب کو ہنسادے اور چاہے تو سب کو رُلادے۔ آپؒ جب بھی بیان کے لیے اسٹیج پر آموجود ہوتے تو سامعین میں خوشی کی ایک لہر دوڑ جاتی تھی۔ آپؒ جس طرح

جمعیت علماء اسلام صوبہ سندھ کے سرپرست اور مقبول عوامی لیڈر رہتے، اسی طرح عالمی مجلس تحفظِ ختم نبوت کے بھی دارالمہام سمجھے جاتے تھے۔ مجلس تحفظِ ختم نبوت نے اندرونِ سندھ جہاں بھی پروگرام رکھا اور حضرت مولانا کو اس میں شرکت کی درخواست کی، آپؒ فوراً اُسے قبول فرماتے، بلکہ وقت سے پہلے وہاں پہنچ جاتے اور اہل علاقہ کو ملاقات کا شرف بخشتے، وہاں ان کے دینی وسیاسی معاملات کا جائزہ لیتے اور انہیں اپنے مشوروں سے خوب خوب نوازتے۔ کئی ایک جلسوں میں راقم الحروف کو بھی ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت مولانا کو محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری نوراللہ مرقدہٗ سے عشق کی حد تک تعلق تھا۔ آپؒ مزے لے لے کر حضرت بنوریؒ کی باتیں سناتے۔ اسی طرح عالمی مجلس تحفظِ ختم نبوت کے بزرگوں سے بھی آپؒ کا ہمیشہ قریبی تعلق رہا۔ آپؒ نے حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ اور سفیر ختم نبوت حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ کے ہمراہ بیرون ملک ختم نبوت کانفرنس میں شرکت کے لیے بھی کئی اسفار کیے۔

آپؒ جب کراچی تشریف لاتے تو مجلس تحفظِ ختم نبوت کے دفتر میں ضرور تشریف لاتے، جس سے دفتر میں موجود عملہ جہاں ان کی آمد پر خوشی محسوس کرتا، وہاں ان کے حوصلے بھی بلند ہوتے کہ ایسی بزرگ شخصیات الحمدللہ! ہماری سرپرستی فرمارہی ہیں اور ان کی توجہات ہمیں حاصل ہیں۔ ابھی آخری بار غالباً پندرہ بیس دن پہلے علاج معالجہ کی غرض سے جب کراچی تشریف لائے تو پہلے دفتر میں حاضری دی۔ وفات سے ایک دن پہلے عالمی مجلس تحفظِ ختم نبوت کراچی کے مبلغ حضرت مولانا قاضی احسان احمد اور بھائی انور رانا صاحب مقامی ہسپتال میں آپؒ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور اس سے پہلے اور بعد میں بھی آپؒ کے خدام سے جماعت کا برابر رابطہ رہا۔ آپؒ کے مختصر ترین حالاتِ زندگی روزنامہ اسلام میں کچھ یوں رپورٹ ہوئے:

> ''سجاول (نامہ نگار) مشہور بزرگ عالم دین شیخ الحدیث مولانا عبدالغفور قاسمی کچھ عرصہ علیل رہنے کے بعد کراچی میں انتقال کر گئے۔ سجاول شہر و گردونواح میں کاروبار بند، مذہبی، سیاسی، علمی وادبی حلقوں کی جانب سے گہرے دکھ کا اظہار۔ تفصیلات کے مطابق سجاول کی دینی درس گاہ جامع دارالفیوض القاسمیہ کے سرپرست، مشہور بزرگ عالم دین شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالغفور قاسمی کچھ عرصہ علالت میں رہنے کے بعد پیر کی صبح کراچی کے ایک ہسپتال میں انتقال کر گئے۔ مولاناؒ کے انتقال کی خبر جیسے ہی سجاول پہنچی پورا شہر سوگ میں بند ہوگیا اور سینکڑوں کی تعداد میں لوگ ان کی رہائش گاہ پر جمع ہونا شروع ہوگئے۔

مرحوم کی عمر ۷۳ برس تھی۔ انہوں نے سجاول، بدین، مٹھی وغیرہ میں سینکڑوں مساجد و مدارس تعمیر کروائے۔ مولانا کے ہزاروں شاگرد سندھ، خیبر پختونخوا اور بلوچستان میں موجود ہیں۔ انہوں نے دینی خدمات کے علاوہ سیاست میں بھی حصہ لیا۔ ۲ مرتبہ قومی اسمبلی اور ایک مرتبہ صوبائی نشست پر انتخابات میں حصہ لیا تھا۔ مولانا کی میت جیسے ہی کراچی سے سجاول پہنچی تو انتظار میں کھڑے ہوئے علماء کرام، طلبہ اور سینکڑوں شہری اشکبار ہو گئے۔ علاقے میں مکمل سوگ چھایا رہا۔ مرحوم کو وصیت کے مطابق سجاول کے مصری شاہ قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔ مرحوم نے پسماندگان میں ۳ بھائی حاجی انور، حاجی عبدالمجید، حاجی حبیب اللہ اور دو بیٹیاں، ہزاروں شاگرد، طلبہ ورشتہ داروں کو سوگوار چھوڑا ہے۔ مرحوم جے یو آئی (ف) کے صوبائی سرپرست اعلیٰ بھی رہ چکے تھے''۔ (روزنامہ اسلام، منگل ۲۱ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۶ نومبر ۲۰۱۳ء)

آپؒ کی وفات حسرت آیات پر جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے رئیس حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، نائب رئیس حضرت مولانا سید محمد سلیمان بنوری اور دیگر تمام اساتذہ نے حضرت مولانا سائیں عبدالغفور قاسمی بانی و شیخ الحدیث جامعہ دارالفیوض قاسمیہ سجاول کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ امت مسلمہ ایک ممتاز عالم و بے لوث مجاہدِ ختم نبوت اور ایک بزرگ ہستی و روحانی شخصیت سے محروم ہوگئی ہے۔ آپؒ کی ذات گرامی پورے سندھ ہی نہیں، بلکہ تمام مسلمانوں کے لیے رحمت کا موجب تھی۔ آپؒ کو تمام سیاسی و مذہبی حلقوں میں عزت و احترام اور عقیدت و محبت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے آپؒ کی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں جیسے ہی آپؒ کی وفات اور جنازہ کے وقت کی اطلاع پہنچی تو جامعہ کے کافی اساتذہ کرام آپؒ کی نمازِ جنازہ میں شرکت کی غرض سے سجاول پہنچے۔ آپ کی نمازِ جنازہ بعد نماز مغرب آپؒ کے ادارہ میں ہوئی، جس میں سندھ بھر کے علمائے کرام، سیاسی و مذہبی شخصیات کے علاوہ عوام کا ایک جم غفیر تھا۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولاناؒ کو جنت الفردوس نصیب فرمائیں اور آپؒ کے لواحقین، پسماندگان اور شاگردوں کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔ ''بینات'' کے باتوفیق قارئین سے ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ أجمعین